قوت کا اصل راز

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قوت کا اصل راز

دوسری صدی ہجری کی ابتداء کا واقعہ ہے کہ سجستان* ورنج کے فرماں روا نے جس کا خاندانی لقب رتبیل تھا، بنی اُمیہ کے عمال کو خراج دینا بند کر دیا، پیہم چڑھائیاں کی گئیں مگر وہ مطیع نہ ہوا۔ یزید بن عبدالملک اموی کے عہد میں جب اس کے پاس طلب خراج کے لیے سفارت بھیجی گئی تو اس نے مسلمانوں کے سفراء سے دریافت کیا۔

---

* موجودہ افغانستان

''وہ لوگ کہاں گئے جو پہلے آیا کرتے تھے؟ ان کے پیٹ فاقہ زدوں کی طرح پٹخے ہوئے تھے۔ پیشانیوں پر سیاہ گٹے پڑے رہتے تھے اور کھجوروں کی چپلیں پہنا کرتے تھے۔''

کہا گیا کہ وہ لوگ تو گزر گئے۔

رتبیل نے کہا:

''اگرچہ تمہاری صورتیں ان سے زیادہ شاندار ہیں، مگر وہ تم سے زیادہ عہد کے پابند تھے۔ تم سے زیادہ طاقتور تھے۔''

مؤرخ لکھتا ہے کہ یہ کہہ کر رتبیل نے خراج دینے سے انکار کر دیا اور تقریباً نصف صدی تک وہ اسلامی حکومت سے آزاد رہا۔

یہ اس عہد کا واقعہ ہے جب تابعین و تبع تابعین کثرت سے موجود تھے۔ ائمۂ مجتہدین کا زمانہ تھا، نبی علیہ السلام کے وصال کو صرف ایک صدی گزری تھی۔ مسلمان ایک زندہ اور طاقتور قوم کی حیثیت

سے دنیا پر چھا رہے تھے۔ ایران، روم، مصر، افریقہ، اسپین وغیرہ ممالک کے وارث ہو چکے تھے۔ اور ساز و سامان، شان و شوکت اور دولت کے اعتبار سے اس وقت دنیا کی کوئی قوم ان کی ہم پلہ نہ تھی۔ یہ سب کچھ تھا۔ دلوں میں ایمان بھی تھا۔ احکام شریعت کی پابندی اب سے بہت زیادہ تھی، سمع و طاعت کا نظام قائم تھا۔ پوری قوم میں ایک زبردست ڈسپلن پایا جاتا تھا، مگر پھر بھی جو لوگ عہد صحابہ کے فاقہ کش، خستہ حال صحرا نشینوں سے زور آزمائی کر چکے تھے انہوں نے ان سر و سامان والوں اور ان بے سر و سامانوں کے درمیان زمین و آسمان کا فرق محسوس کیا۔ یہ کس چیز کا فرق تھا؟ فلسفۂ تاریخ والے اس کو محض بدویت و حضریت کے فرق پر محمول کریں گے، وہ کہیں گے کہ پرانے بادیہ نشین زیادہ جفاکش تھے اور بعد کے لوگوں کو دولت اور تمدن نے عیش پسند بنا دیا تھا مگر میں یہ کہوں گا کہ یہ فرق دراصل

ایمان، خلوص نیت ، اخلاق، اور اطاعت خدا اور رسول کا فرق
تھا مسلمانوں کی اصلی قوت یہی چیزیں تھیں، ان کی قوت نہ کثیر تعداد
پر مبنی تھی، نہ اسباب و آلات کی افراط پر، نہ مال و دولت کی فراوانی پر،
نہ علوم و صناعات کی مہارت پر، نہ تمدن و حضارت کے لوازم پر۔ یہ
صرف ایمان و عمل صالح کے بل پر ابھرے تھے۔ اسی چیز نے ان کو
دنیا میں سربلند کیا تھا۔ اسی نے قوموں کے دلوں میں ان کی دھاک
اور ساکھ بٹھادی تھی، جب قوت و عزت کا سرمایہ ان کے پاس تھا تو یہ
قلت تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود طاقتور اور معزز تھے اور
جب یہ سرمایہ ان کے پاس کم ہوگیا تو یہ کثرت تعداد سروسامان کی
فروانی کے باوجود کمزور اور بے وقعت ہوتے چلے گئے۔

رتبیل نے ایک دشمن کی حیثیت سے جو کچھ کہا وہ دوستوں اور
ناصحوں کے ہزار وعظوں سے زیادہ سبق آموز ہے۔ اس نے دراصل

یہ حقیقت بیان کی تھی کہ کسی قوم کی اصلی طاقت اس کی آراستہ فوجیں، اس کے آلات جنگ، اس کے خوش خور و خوش پوش سپاہی، اور اس کے وسیع ذرائع و وسائل نہیں ہیں، بلکہ اس کے پاکیزہ اخلاق اس کی مضبوط سیرت، اس کے صحیح معاملات اور اس کے بلند تخیلات ہیں۔ یہ طاقت وہ روحانی طاقت ہے جو مادی وسائل کے بغیر دنیا میں اپنا سکہ چلا دیتی ہے۔ خاک نشینوں کو تخت نشینوں پر غالب کر دیتی ہے۔ صرف زمینوں کا وارث ہی نہیں بلکہ دلوں کا مالک بھی بنا دیتی ہے۔ اس طاقت کے ساتھ کھجور کی چپلیاں پہننے والے، سوکھی ہڈیوں والے، بے رونق چہروں والے، چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی تلواریں رکھنے والے لوگ دنیا پر وہ رعب، وہ سطوت و جبروت وقدر و منزلت، وہ اعتبار و اقتدار جما دیتے ہیں جو اس طاقت کے بغیر شاندار لباس پہننے والے بڑے ڈیل ڈول والے، بارونق چہروں والے، اونچی

بارگاہوں والے، بڑی بڑی منجنیقیں اور ہولناک دبابے رکھنے والے نہیں جما سکتے، اخلاقی طاقت کی فراوانی، مادی وسائل کے فقدان کی تلافی کبھی نہیں کرسکتی۔ اس طاقت کے بغیر محض مادی وسائل کے ساتھ اگر غلبہ نصیب ہو بھی گیا تو ناقص اور عارضی ہوگا۔ کامل اور پائدار نہ ہوگا۔ دل کبھی مسخر نہ ہوں گے۔ صرف گردنیں جھک جائیں گی اور وہ بھی اکڑنے کے پہلے موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے مستعد رہیں گی۔

کسی عمارت کا استحکام اس کے رنگ و روغن، نقش و نگار، زینت و آرائش، صحن و چمن اور ظاہری خوشنمائی سے نہیں ہوتا۔ نہ مکینوں کی کثرت نہ ساز و سامان کی افراط اور اسباب و آلات کی فراوانی اس کو مضبوط بناتی ہے۔ اگر اس کی بنیادیں کمزور ہوں دیواریں کھوکھلی ہوں۔ ستونوں کو گھن لگ جائے، کڑیاں اور تختے

بوسیدہ ہو جائیں تو اس کو گرنے سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی، خواہ وہ مکینوں سے خوب معمور ہو اور اس میں کروڑوں روپے کا مال و اسباب بھرا پڑا ہو، اور اس کی سجاوٹ نظروں کو لبھاتی اور دلوں کو موہ لیتی ہو۔ تم صرف ظاہر کو دیکھتے ہو، تمہاری نظریں مظاہر پر اٹک کر رہ جاتی ہیں۔ مگر حوادث زمانہ کا معاملہ نمائشی مظاہر سے نہیں بلکہ اندونی حقائق سے پیش آتا ہے۔ وہ عمارت کی بنیادوں سے نبرد آزما ہوتے ہیں۔ دیواروں کی پختگی کا امتحان لیتے ہیں۔ ستونوں کی استواری کو جانچتے ہیں اگر یہ چیزیں مضبوط اور مستحکم ہوں تو زمانے کے حوادث ایسی عمارت سے ٹکرا کر پلٹ جائیں گے اور وہ ان پر غالب آ جائے گی خواہ وہ زینت و آرائش سے یکسر محروم ہو ورنہ حوادث کی ٹکریں آخر کار اس کو پاش پاش کر کے رہیں گی اور وہ اپنے ساتھ مکینوں اور اسباب زینت کو بھی لے بیٹھے گی۔

ٹھیک یہی حال حیات قومی کا بھی ہے۔ ایک قوم کو جو چیز زندہ اور طاقتور اور سر بلند بناتی ہے وہ اس کے مکان، اس کے لباس، اس کی سواریاں، اس کے اسباب عیش، اس کے فنون لطیفہ، اس کے کارخانے، اس کے کالج نہیں ہیں بلکہ وہ اصول ہیں جن پر اس کی تہذیب قائم ہوتی ہے، اور پھر ان اصولوں کا دلوں میں راسخ ہونا اور اعمال پر حکمراں بن جانا ہے۔ یہ تین چیزیں یعنی اصول کی صحت ان پر پختہ ایمان اور عملی زندگی پر ان کی کامل فرمانروائی، حیات قومی میں وہی حیثیت رکھتی ہے جو ایک عمارت میں اس کی مستحکم بنیادوں، اس کی پختہ دیواروں اور اس کے مضبوط ستونوں کی ہے۔ جس قوم میں یہ تینوں چیزیں بدرجۂ اتم موجود ہوں وہ دنیا پر غالب ہو کر رہے گی۔ اس کا کلمہ بلند ہوگا، خدا کی زمین میں اس کا سکہ چلے گا، دلوں میں اس کی دھاک بیٹھے گی، گردنیں اس کے حکم کے آگے جھک جائیں گی

اور اس کی عزت ہوگی، خواہ وہ جھونپڑیوں میں رہتی ہو۔ پھٹے پرانے کپڑے پہنتی ہو، فاقوں سے اس کے پیٹ پٹخے ہوئے ہوں، اس کے ہاں ایک بھی کالج نہ ہو، اس کی بستیوں میں ایک بھی دھواں اڑانے والے چمنی نظر نہ آئے اور علوم وصناعات میں وہ بالکل صفر ہو۔ تم جن چیزوں کو سامان ترقی سمجھ رہے ہو وہ محض عمارت کے نقش ونگار ہیں، اس کے قوائم و ارکان نہیں ہیں۔ کھوکھلی دیواروں پر اگر سونے کے پتر ے چڑھا دو گے تو وہ ان کو گرنے سے نہ بچا سکیں گے۔

یہی بات ہے جس کو قرآن مجید بار بار بیان کرتا ہے۔

وہ اسلام کے اصولوں کے متعلق کہتا ہے کہ وہ اس اٹل اور غیر متغیر فطرت کے مطابق ہیں جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس لیے جو دین ان اصولوں پر قائم کیا گیا ہے وہ دین قیم ہے یعنی ایسا دین جو معاش و معاد کے جملہ معاملات ٹھیک طریقوں پر قائم

کردینے والا ہے۔ فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّينِ حَنِيْفاً ط فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ط لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ط ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

(الروم: ۳۰)

پھر وہ کہتا ہے کہ اس دین قیم پر مضبوطی کے ساتھ جم جاؤ، اس پر ایمان لاؤ اور اس کے مطابق عمل کرو۔ اس کا نتیجہ خود بخود یہ ظاہر ہوگا کہ دنیا میں تم ہی سر بلند ہو گے.......... تم ہی کو زمین کا وارث بنایا جائے گا، تم ہی خلعت خلافت سے سرفراز ہو گے۔ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ (انبیاء: ۱۰۵) وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (آل عمران: ۱۳۹) وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ (النور: ۵۵) وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْ فَاِنَّ

حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (المائدہ:۵٦)

بخلاف اس کے جو لوگ بظاہر دین کے دائرے میں داخل ہیں، مگر دین نہ تو اس کے دلوں میں بیٹھا ہے اور نہ ان کی زندگی کا قانون بنا ہے، ان کے ظاہر تو بہت شاندار ہیں، وَاِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ اوران کی باتیں بہت مزیدار ہیں۔ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ مگر حقیقت میں وہ لکڑی کے کندے ہیں جن میں جان نہیں كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ ۔وہ خدا سے بڑھ کر انسانوں سے ڈرتے ہیں.......... يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۔ان کے اعمال سراب کی طرح ہیں کہ دیکھنے میں پانی نظر آئیں مگر حقیقت میں کچھ نہیں۔ اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً حَتّٰى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْئًا ۔ایسے لوگوں کو اجتماعی قوت کبھی نصیب نہیں

ہوسکتی، کیونکہ ان کے دل آپس میں پھٹے ہوئے ہوتے ہیں اور وہ خلوص نیت کے ساتھ کسی کام میں اشتراک عمل نہیں کر سکتے۔ بَأْسُهُمْ بَيْنَهُمْ شَدِيْدٌ تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعاً وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى ۔ان کو وہ قوت ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی جو صرف مومنین صالحین کا حصہ ہے۔لَيُقَاتِلُوْنَكُمْ جَمِيْعاً اِلَّا فِيْ قُرًى مُّحَصَّنَةٍ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ جُدُرٍ ۔ ان کو دنیا کی امت کا منصب کبھی نہ ملے گا۔قَالَ لَايَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ،ان کے لیے بجز اس کے اور کوئی کام نہیں کہ دنیا میں بھی ذلت وخواری اور آخرت میں بھی عذاب وعتاب۔ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

آپ تعجب کریں گے کہ قرآن نے مسلمانوں کی ترقی اور ان کے ایک حکمراں جماعت بننے اور سب پر غالب آجانے کا ذریعہ

صرف ایمان وعمل صالح کو قرار دیا اور کہیں یہ نہیں کہا کہ تم یونیورسٹیاں بناؤ، کالج کھولو، کارخانے قائم کرو، جہاز بناؤ، کمپنیاں قائم کرو، بینک کھولو، سائنس کے آلات ایجاد کرو، اور لباس، معاشرت، انداز و اطوار میں ترقی یافتہ قوموں کی نقل کرو۔ نیز اس نے تنزل وانحطاط اور دنیا وآخرت کی ذلت ورسوائی کا واحد سبب بھی نفاق کو ٹھہرایا نہ کہ ان اسباب کے فقدان کو جنہیں آج کل دنیا اسباب ترقی سمجھتی ہے۔

لیکن اگر آپ قرآن کی اسپرٹ کو سمجھ لیں تو آپ کا یہ تعجب خود رفع ہو جائے گا۔ سب سے پہلی بات جس کا سمجھنا ضروری ہے یہ ہے کہ ''مسلمان'' جس شے کا نام ہے اس کا قوام بجز اسلام کے اور کوئی چیز نہیں ہے۔ مسلم ہونے کی حیثیت سے اس کی حقیقت صرف اسلام سے متحقق ہوتی ہے۔ اگر وہ اس پیغام پر ایمان رکھے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں اور ان قوانین کا اتباع کرے جن کو آں حضرت علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے ذریعے سے نازل کیا گیا ہے تو اس کا اسلام متحقق ہو جائے گا خواہ ان چیزوں میں سے کوئی چیز اس کے ساتھ شامل نہ ہو جو اسلام کے ماسوا ہیں۔ بخلاف اس کے اگر وہ ان تمام زیورات سے آراستہ ہو جو زینت حیات دنیا کے قبیل سے ہیں مگر ایمان اس کے دل میں نہ ہو اور قوانین اسلامی کے اتباع سے اس کی زندگی خالی ہو تو وہ گریجویٹ ہو سکتا ہے، ڈاکٹر ہو سکتا ہے، کارخانہ دار ہو سکتا ہے، بینکر ہو سکتا ہے، جنرل یا امیر البحر ہو سکتا ہے، مگر مسلمان نہیں ہو سکتا پس کوئی ترقی کسی مسلمان شخص یا قوم کی ترقی نہ ہوگی جب تک کہ سب چیزوں سے پہلے اس شخص یا قوم میں حقیقت اسلامی متحقق نہ ہو جائے اس کے بغیر وہ ترقی خواہ کیسی ہی ترقی ہو مسلمان کی ترقی نہ ہوگی اور ایسی ترقی ظاہر ہے کہ اسلام کا نصب العین نہیں ہو سکتی۔

پھر ایک بات تو یہ ہے کہ کوئی قوم سرے سے مسلمان نہ ہو، اور

اس کے افکار و اخلاق اور نظام اجتماعی کی اساس اسلام کے سوا کسی اور چیز پر ہو۔ ایسی قوم کے لیے بلاشبہ یہ ممکن ہے کہ وہ ان اخلاقی، سیاسی، معاشی اور عمرانی اصولوں پر کھڑی ہو سکے جو اسلام سے مختلف ہیں اور اس ترقی کے منتہیٰ کو پہنچ جائے جس کو وہ اپنے نقطۂ نظر سے ترقی سمجھتی ہو۔ لیکن یہ بالکل ایک امر دیگر ہے کہ کسی قوم کے افکار، اخلاق، تمدن، معاشرت، معیشت اور سیاست کی بنیاد اسلام پر ہو، اور اسلام ہی میں وہ عقیدے اور عمل دونوں کے لحاظ سے ضعیف ہو۔ ایسی قوم مادی ترقی کے وسائل خواہ کتنی ہی کثرت اور فراوانی کے ساتھ مہیا کر لے، اس کا ایک مضبوط اور طاقتور قوم کی حیثیت سے اٹھنا اور دنیا میں سربلند ہونا قطعاً غیر ممکن ہے۔ کیونکہ اس کی قومیت اور اس کے اخلاق اور تہذیب کی اساس جس چیز پر ہے وہی کمزور ہے اور اساس کی کمزوری ایسی ہے جس کی تلافی محض اوپری زینت

کے سامان کبھی نہیں کر سکتے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ علوم وفنون اور مادی ترقی کے وسائل کی جائز اہمیت سے انکار ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ مسلمان قوم کے لیے یہ تمام چیزیں ثانوی درجہ پر ہیں۔ اساس کا استحکام ان سب پر مقدم ہے وہ جب مستحکم ہو جائے تو مادی ترقی کے وہ تمام وسائل اختیار کیے جا سکتے ہیں اور کیے جانے چاہئیں جو اس بنیاد کے ساتھ مناسبت رکھتے ہوں۔ لیکن اگر وہی مضمحل ہو، دل میں اسی کی جڑیں کمزور ہوں اور زندگی پر اسی کی گرفت ڈھیلی ہو تو انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے قوم کے اخلاق کا فاسد ہونا، سیرت کا بگڑ جانا، معاملات کا خراب ہو جانا، نظام اجتماعی کی بندشوں کا سست ہو جانا اور قوتوں کا پراگندہ ہو جانا ناگزیر ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہی ہو سکتا ہے کہ قوم کی طاقت کمزور ہو جائے اور بین الملی قوتوں کے

ترازو میں اس کا پلڑا روز بروز ہلکا ہوتا چلا جائے یہاں تک کہ دوسری قومیں اس پر غالب آ جائیں۔ ایسی حالت میں مادی اسباب کی فراوانی اور سند یافتہ فضلاء کی افراط اور خارجی زیب وزینت کی چمک دمک کسی کام نہیں آ سکتی۔

ان سب سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ہے۔ قرآن کریم نہایت وثوق کے ساتھ کہتا ہے کہ "تم ہی سر بلند ہو گے اگر تم مومن ہو۔" اور اللہ کی پارٹی والے ہی غالب ہوں گے۔" اور جو لوگ ایمان وعمل صالح سے آراستہ ہوں گے ان کو زمین کی خلافت ضرور ملے گی۔ اس وثوق کی بنیاد کیا ہے؟ کس بنا پر دعویٰ کیا گیا ہے کہ...... دوسری قومیں خواہ کیسے ہی مادی وسائل کی مالک ہوں ان پر مسلمان صرف ایمان اور عمل صالح کے اسلحہ سے غالب آ جائیں گے؟

اس عقیدہ کو قرآن خود حل کر دیتا ہے:

يَـاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ط اِنَّ
الَّـذِيْـنَ تَـدْعُـوْنَ مِـنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا
ذُبَـابـاً وَّلَـوِ اجْتَـمَعُوْا لَـهٗ ط وَاِنْ يَّسْـلُبْهُمُ
الـذُّبَـابُ شَيْـئـاً لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ط ضَعُفَ
الـطَّـالِـبُ وَالْـمَـطْـلُـوْبُ مَاقَدَرُوا اللّٰـهَ حَقَّ
قَدْرِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ (الحج: ۷۳،۷۴)

(لوگو! ایک مثال بیان کی جاتی ہے۔ اس کو غور سے سنو۔
خدا کو چھوڑ کر تم جن چیزوں کو پکارتے ہو وہ ایک مکھی تک کو
پیدا کرنے پر قادر نہیں ہیں اگر چہ وہ سب اس کام کے لیے
مل کر زور لگائیں اور اگر ایک مکھی ان سے کوئی چیز چھین
لے تو اس سے وہ چیز چھڑا لینے کی قدرت بھی ان میں نہیں،
مطلوب بھی ضعیف اور اس کا طالب بھی ضعیف۔ ان

لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسی کرنی چاہیے تھی، حالانکہ درحقیقت اللہ ہی قدرت اور عزت والا ہے۔)

مَثَلُ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَوْلِيَآءَ كَمَثَلِ الْعَنْكَبُوْتِ ۚ اِتَّخَذَتْ بَيْتاً ؕ وَاِنَّ اَوْهَنَ الْبُيُوْتِ لَبَيْتُ الْعَنْكَبُوْتِ ۔ (العنکبوت: ۴۰)

(جن لوگوں نے خدا کے سوا دوسروں کو کارساز ٹھہرایا، ان کی مثال ایسی ہے جیسے مکڑی، کہ وہ گھر بناتی ہے حالانکہ سب گھروں سے کمزور گھر مکڑی کا ہے۔)

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ مادی طاقتوں پر اعتقاد رکھتے ہیں ان کا اعتماد دراصل ایسی چیزوں پر ہے جو بذات خود کسی قسم کی بھی قوت نہیں رکھتیں، ایسے بے زوروں پر اعتماد کرنے کا قدرتی نتیجہ یہ ہے کہ وہ خود بھی ویسے ہی بے زور ہو جاتے ہیں جیسے ان کے سہارے بے

زور ہیں۔ وہ اپنے نزدیک جو مستحکم قلعے بناتے ہیں وہ مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں۔ ان میں کبھی یہ طاقت ہو ہی نہیں سکتی کہ ان لوگوں کے مقابلے میں سر اٹھا سکیں جو حقیقی قدر و عزت رکھنے والے خدا پر اعتماد کر کے اٹھیں۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى لَا انْفِصَامَ لَهَا ۰

(البقرہ:۲۵۶)

(جو طاغوت کو چھوڑ کر اللہ پر ایمان لے آیا۔ اس نے مضبوط رسی تھام لی جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے۔)

قرآن دعوے کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ جب کبھی اہل ایمان اور اہل کفر کا مقابلہ ہوگا تو غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔

وَلَوْ قَاتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا

يَجِدُوْنَ وَلِيّاً وَّ لَا نَصِيْراً ○ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِى قَدْخَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً ○ (الفتح: ۲۲،۲۳)

(اگر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے تم سے جنگ کریں گے تو ضرور پیٹھ پھیر جائیں گے اور کوئی یار و مددگار نہ پائیں گے۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے اور تم کبھی اللہ کی سنت میں تغیر نہ پاؤ گے۔)

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِا اللّٰهِ مَالَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَاناً ۔

(آل عمران:۱۵۱)

(ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے کیونکہ انہوں نے خدائی میں ان چیزوں کو شریک کر دیا ہے جن کو

خدا نے کوئی تمکن نہیں بخشا ہے۔)

اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص خدا کی طرف سے لڑتا ہے اس کے ساتھ خدائی طاقت ہوتی ہے اور جس کے ساتھ خدائی طاقت ہو اس کے مقابلہ میں کسی کا زور چل ہی نہیں سکتا۔

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ لَا مَوْلٰى لَهُمْ۔ (محمد:۱۱)

(یہ اس لیے کہ ایمانداروں کا مددگار تو اللہ ہے اور کافروں کا مددگار کوئی نہیں۔)

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج

(الانفال:۱۷)

(جب تو نے تیر پھینکا تو وہ تو نے نہیں پھینکا بلکہ خدا نے پھینکا۔)

یہ تو مومن صالح سطوت کا حال ہے۔ دوسری طرف یہ بھی خدا

کا قانون ہے کہ جو شخص ایماندار ہوتا ہے، جس کی سیرت پاکیزہ ہوتی ہے، جس کے اعمال نفسانیت کی آلودگیوں سے پاک ہوتے ہیں، جو ہوائے نفس اور اغراض نفسانی کے بجائے خدا کے مقرر کیے ہوئے قانون کی ٹھیک ٹھیک پیروی کرتا ہے، اس کی محبت دلوں میں بیٹھ جاتی ہے، دل آپ ہی آپ اس کی طرف کھینچنے لگتے ہیں، نگاہیں اس کی طرف احترام سے اٹھتی ہیں، معاملات میں اس پر اعتماد کیا جاتا ہے، دوست تو دوست دشمن اس کو صادق سمجھتے ہیں۔ اور اس کے عدل، اس کی عفت اور اس کی وفا شعاری پر بھروسا کرتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَیَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ (مریم:۹٦)

(جو لوگ ایمان لے آئے اور جنہوں نے نیک عمل کیے اللہ ان کی محبت دلوں میں ڈال دے گا۔)

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الاٰخِرَةِ ج (ابراہیم:۲۷)

(ایمان لانے والوں کو اللہ ایک قول ثابت کے ساتھ جما دیتا ہے، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی۔)

مَنْ عَمِلَ صَالِحاً مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (النحل:۹۷)

(جو کوئی نیک عمل کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور اس کے ساتھ وہ مومن بھی ہو تو ہم ضرور اس کو بہترین زندگی بسر کرائیں گے اور اس کے بہترین اعمال کا اجر دیں گے جو وہ کرتے رہے۔)

مگر یہ سب کس چیز کے نتائج ہیں؟ محض زبان سے لَآ اِلٰـهَ اِلَّا

اللّٰہ کہنے کے نہیں۔ مسلمانوں کے سے نام رکھ لینے اور معاشرت کے چند مخصوص اطوار اختیار کرنے اور چند گنی چنی رسمیات ادا کر لینے کے نہیں، قرآن حکیم ان نتائج کے ظہور کے لیے ایمان اور عمل صالح کی شرط لگاتا ہے، اس کا منشاء یہ ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت تمہارے قلب و روح میں اس قدر جاگزیں ہو جائے کہ تمہارے تخیلات اور افکار اور اخلاق و معاملات سب پر اسی کا غلبہ ہو، تمہاری زندگی اسی کلمۂ طیبہ کے معنوی قالب میں ڈھل جائے، تمہارے ذہن میں کوئی ایسا خیال راہ نہ پا سکے جو اس کلمہ کے معنیٰ سے مختلف ہو اور تم سے کوئی ایسا عمل سرزد نہ ہو جو اس کلمہ کے مقتضیٰ کے خلاف ہو۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو زبان سے ادا کرنے کا نتیجہ یہ ہونا چاہیے کہ تمہاری زندگی میں اس کے ساتھ ایک انقلاب برپا ہو جائے۔ تمہاری رگ رگ میں تقویٰ کی روح سرایت کر جائے۔ اللہ کے سوا تمہارا

ہاتھ کسی کے آگے نہ پھیلے۔ اللہ کے سوا کسی کا خوف تمہارے دل میں نہ رہے۔ تمہاری محبت اور تمہارا بغض اللہ کے سوا کسی اور کے لیے نہ ہو۔ اللہ کے قانون کے سوا تمہاری زندگی پر کسی اور کا قانون نافذ نہ ہو۔ تم اپنے نفس اور اس کی ساری خواہشوں اور اس کے تمام مرغوبات اور محبوبات کو اللہ کی خوشنودی پر قربان کر دینے کے لیے ہر وقت تیار ہو۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کے مقابلے میں تمہارے پاس سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کے سوا کوئی اور قول و فعل نہ ہو۔ جب ایسا ہوگا تو تمہاری قوت صرف تمہارے اپنے نفس اور جسم کی قوت نہ ہوگی بلکہ اس احکم الحاکمین کی قوت ہوگی جس کے آگے زمین و آسمان کی ہر چیز طوعاً و کرہاً سربسجود ہے اور تمہاری ذات اس نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے جلووں سے معمور ہو جائے گی جو تمام عالم کا حقیقی محبوب و معشوق ہے۔

نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے عہد میں یہی چیز مسلمانوں کو حاصل تھی پھر اس کا نتیجہ جو کچھ ہوا تاریخ کے اوراق اس پر شاہد ہیں۔ اس زمانے میں جس نے لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کہا اس کی کایا پلٹ گئی۔ مس خام سے یکایک وہ کندن بن گیا۔ اس کی ذات میں وہ کشش پیدا ہوئی کہ دل اس کی طرف کھینچنے لگے۔ اس پر جس کی نظر پڑتی وہ محسوس کرتا کہ گویا تقویٰ اور پاکیزگی اور صداقت کو مجسم دیکھ رہا ہے۔ وہ ان پڑھ، مفلس، فاقہ کش، پشمینہ پوش اور بوریا نشین ہوتا مگر پھر بھی اس کی ہیبت دلوں میں ایسی بیٹھتی کہ بڑے بڑے شان و شوکت والے فرماں رواؤں کو نصیب نہ تھی۔ ایک مسلمان کا وجود گویا ایک چراغ تھا کہ جدھر وہ جاتا اس کی روشنی اطراف واکناف میں پھیل جاتی اور اس چراغ سے سینکڑوں ہزاروں چراغ روشن ہوجاتے پھر جو اس روشنی کو قبول نہ کرتا اور اس سے

ٹکرانے کی جرأت کرتا تو اس کو جلانے اور فنا کردینے کی قوت بھی اس میں موجود تھی۔

ایسی ہی قوت ایمانی اور طاقت وسیرت رکھنے والے مسلمان تھے کہ جب وہ ساڑھے تین سو سے زیادہ نہ تھے تو انہوں نے تمام عرب کو مقابلہ کا چیلنج دے دیا اور جب وہ چند لاکھ کی تعداد کو پہنچے تو ساری دنیا کو مسخر کر لینے کے عزم سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جو قوت ان کے مقابلہ پر آئی پاش پاش ہوگئی۔

جیسا کہ کہا جاچکا ہے مسلمان کی اصلی طاقت یہی ایمان اور سیرت صالحہ کی طاقت ہے، جو صرف ایک لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ کی حقیقت دل میں بیٹھ جانے سے حاصل ہوتی ہے لیکن اگر یہ حقیقت دل میں جاں گزیں نہ ہو، محض زبان پر یہ الفاظ جاری ہوں، مگر ذہنیت اور عملی زندگی میں کوئی انقلاب برپا نہ ہو لَآاِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ

کہنے کے بعد بھی انسان وہی کا وہی رہے جو اس سے پہلے تھا۔ اور اس میں اور لَآ اِلٰــهَ اِلَّا اللّٰهُ کا انکار کرنے والوں میں اخلاقی و عملی حیثیت سے کوئی فرق نہ ہو۔ وہ بھی انہی کی طرح غیر اللہ کے آگے گردن جھکائے اور ہاتھ پھیلائے ان ہی کی طرح غیر خدا سے ڈرے اور غیر خدا کی رضا چاہے اور غیر خدا کی محبت میں گرفتار ہو، ان ہی کی طرح ہوائے نفس کا بندہ ہو اور قانون الٰہی کو چھوڑ کر انسانی قوانین یا اپنے نفس کی خواہشات کا اتباع کرے، اس کے خیالات اور ارادوں اور نیتوں میں بھی وہی گندگی ہو جو ایک غیر مومن کے خیالات ،ارادات اور نیات میں ہوسکتی ہے اور اس کے اقوال و افعال و معاملات بھی ویسے ہی ہوں جیسے ایک غیر مومن کے ہوتے ہیں تو پھر مسلمان کو نا مسلمان پر فوقیت کس بنا پر ہو؟ روح ایمان اور روح تقویٰ نہ ہونے کی صورت میں ایک مسلمان ویسا ہی ایک بشر تو

ہے جیسا ایک نامسلمان ہے۔ اس کے بعد مسلم اور غیر مسلم کا مقابلہ صرف جسمانی طاقت اور مادی وسائل کے اعتبار سے ہوگا اور اس مقابلہ میں جو طاقتور ہوگا وہ کمزور پر غالب آجائے گا۔

ان دونوں حالتوں کا فرق تاریخ کے اوراق میں اتنا نمایاں ہے کہ ایک نظر میں دیکھا جاسکتا ہے، یا تو مٹھی بھر مسلمانوں نے بڑی بڑی حکومتوں کے تختے الٹ دیے تھے اور اٹک کے کنارے سے لے کا اٹلانٹک کے سواحل تک اسلام پھیلا دیا تھا۔ یا اب کروڑوں مسلمان دنیا میں موجود ہیں اور غیر مسلم طاقتوں سے دبے ہوئے ہیں۔ جن آبادیوں میں کروڑوں مسلمان بستے ہیں اور ان کو بسے ہوئے صدیاں گزر چکی ہیں وہاں اب بھی کفر و شرک موجود ہے۔

(ترجمان القرآن، شوال ۵۳ھ جنوری ۱۹۳۵ء)